E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - M.A.Translation

Module Name/Title : **Urdu mein Adabi Tarajim ki Riwayat, Ahmiyat aur Masail**

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE SLM
PRESENTATION	Jameel Shaidai
PRODUCER	Mohammed Mujahid Ali

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی 8 : اردو میں ادبی تراجم کی روایت واہمیت اور مسائل

ساخت

8.1 تمہید

8.2 اردو میں ترجمے کا آغاز اور ادبی تراجم کی روایت

8.2.1 اردو زبان میں ترجمے کی ابتدا

8.2.2 ادبی ترجمے کی تعریف

8.2.3 اردو میں ادبی ترجمے کا آغاز اور روایت

8.2.3.1 شعری تراجم کی روایت

8.2.3.2 افسانوی تراجم کی روایت

8.3 ادبی تراجم کی اہمیت وافادیت

8.4 ادبی تراجم کے مسائل

8.4.1 افسانوی ادب سے مختص تراجم کے مسائل

8.4.2 شعری تراجم سے مختص مسائل

8.5 خلاصہ

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.7 فرہنگ

8.8 سفارش کردہ کتابیں

8.1 تمہید

ترجمہ ایک ایسا فن ہے؛ جس کے وسیلے سے تہذیبیں نشو ونما اور ترقی کے مراحل طے کرتی ہیں نیز انسانی شعور و ذہن، اس کی زبان و بیان اور وجدانی و جمالیاتی تجربے میں توسیع واضافہ ہوتا ہے۔ ادب انسان کے جذبات وخواہشات اور خیالات کا مظہر ہوتا ہے اور انسان و کائنات کے باہمی رشتوں کی تفہیم کا بہترین ترجمان ہوتا ہے۔ یہ ایک طرف تہذیب وثقافت کا زائدہ اور اس کا علم بردار ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کی تعمیر وتشکیل کا ایک بہترین وسیلہ ہوتا ہے۔ اس لیے کسی تہذیب کے بہترین خیالات واحساسات کے اعلیٰ پیرایہ اظہار سے مستفیض ہونے کے لیے اور وجدانی و جمالیاتی ارتفاع کے لیے ادبی ترجمے کے اہمیت وافادیت مسلم ہے۔ ادبی ترجمہ ایک خیال یا تصور کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک تہذیبی فضا اور روایت کو دوسری تہذیب وروایت سے ہم آہنگ کرنے کا عمل ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک مشکل ترین عمل ہے۔

اس اکائی میں اردو زبان میں ادبی ترجمے کی روایت کو بیان کرتے ہوئے ادبی ترجمے کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ادبی ترجمے کے مسائل سے بحث کرتے ہوئے افسانوی اور شعری تراجم سے مختص مسائل کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا گیا ہے۔

8.2 اردو میں ترجمے کا آغاز اور ادبی تراجم کی روایت

8.2.1 اردو زبان میں ترجمے کی ابتدا

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ترجمہ ایک زبان کی ساخت میں موجود معنی و مضمون کو دوسری زبان کی ساخت میں منتقل کرنے کا عمل ہے۔ ترجمے کی عمومی تعریف یہی ہے، لیکن اگر ہم اپنی روزمرہ کی سماجی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کریں تو ہم پر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ترجمے کا عمل ایک زبان میں بھی جاری رہتا ہے یعنی جب ہم اپنے یا دوسروں کے معنی و مطالب کو ان کے اصل الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو اس وقت بھی ہم ترجمے کے عمل سے دوچار ہوتے ہیں مثلاً یہ جملے :

''میں کتوں کے بھونکنے پر دھیان نہیں دیتا''

''اس نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ میں بے کار کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا''

''اس نے طنز کرتے ہوئے کہا کہ میں بے معنی تنقید پر غور نہیں کرتا''

مذکورہ مثالوں میں دراصل معنی کی ترسیل اور انگیز کرنے کا عمل ہے۔ اس عمل کے رشتے ترجمے سے بہت گہرے ہوتے ہیں، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک زبان کے اندر بھی طبقوں، فرقوں، ملتوں اور علاقوں وغیرہ کے لحاظ سے کئی ذیلی زبانیں ہوتی ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ترجمے کا فن انسان کی سماجی زندگی کے ساتھ ساتھ نمو پذیر ہوا ہے، اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی زندگی کی تاریخ۔ اس لحاظ سے ترجمہ دو لسانی یا ذیلی لسانی گروہوں کے درمیان تعامل اور رابطے کا ایک عمل قرار پاتا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اردو زبان مشترکہ تہذیب و ثقافت کی پیداوار اور علمبردار ہے۔ ہندوستان میں اس مشترکہ تہذیب کا آغاز محمود غزنوی کی آمد سے ہوتا ہے۔ اس عہد میں فارسی، پشتو، ترکی، عربی اور ہندوستانی کی آمیزش سے ایک نئی تہذیب اور نئی زبان کا ہیولا تیار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دو زبانوں اور دو تہذیبوں کا تعامل اپنی سادہ شکل میں ترجمے کے فروغ کا باعث ہوتا ہے اور ترجمے کی وجہ سے ہی مشترکہ زبان اور نئے اسلوب وجود میں آتے ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک بالغ لسانی گروہ بازار یا دوسری عملی ضرورتوں کے تحت اجنبی زبان کو ایک معصوم بچے کی طرح انگیز نہیں کرتا بلکہ وہ اجنبی زبان کی ساخت کو اپنی لسانی ساخت کے مطابق اور اس کے مزاج کی ہم آہنگی سے قبول کرتا ہے یعنی ایک لسانی گروہ کے لیے کتے کے معنی کتا، ایک مخصوص جاندار یا جانور کے ہیں جب کہ دوسرے لسانی گروہ کے لیے کتے کے معنی پہلے Dog کے ہیں بعد میں مخصوص جانور کے۔ اس لحاظ سے ایک لسانی گروہ کے دوسری زبان کو سیکھنے اور سمجھنے کے عمل میں ترجمے کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ بقول عبدالحق ہماری زبان میں لسانی سطح پر مترادفات سے ترجمے کا آغاز ہوا۔ ان مترادفات میں تصرف بھی ہوئے۔ گویا اردو کے عناصر ترکیبی میں ترجمے کا خمیر شامل ہے۔ اس لحاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو زبان میں ترجمے کی تاریخ و ابتدا، اردو زبان کی تاریخ و ابتدا سے منسلک ہے۔ ماہرین لسانیات کے مطابق ماقبل اردو (Pre Urdu) کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر خواجہ سعد سلمان (بارھویں صدی) ہیں، جن کا دیوان اب موجود نہیں ہے۔ ان کے بعد خسرو اور دوسرے شعرا ہیں۔ خسرو کے کلام اور ان کے بعد کے عہد کے فارسی اور ہندوی کلام سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس عہد میں فارسی و عربی الفاظ، ضرب الامثال اور محاوروں کا ترجمہ اردو میں شروع ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مذہبی تصورات و خیالات بھی اردو میں منتقل ہو رہے تھے۔ اس ذیل میں صوفی سنت پیش پیش تھے، جو اپنے اقوال اور شاعری کے ذریعے ترجمے کے کام کو آگے بڑھا رہے تھے۔ حافظ محمود شیرانی نے مثالوں کے ساتھ اس بات کو واضح کیا ہے کہ کبیر (پ 1398ء) کی زبان اردو کے بہت قریب ہے۔ ان کے کلام میں دس فی صد سے زیادہ الفاظ فارسی کے ہیں۔ کبیر نے فارسی محاوروں اور ضرب الامثال کے ساتھ بعض فارسی اشعار کا ترجمہ بھی کیا ہے : چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

کبیر : کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے

حافظ (فارسی) : ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

کبیر : کبیر سر پر سرائے ہے کیا سووے سکھ چین
سوانس نگارا کوچ کا باجت ہے دن رین

فردوسی (فارسی) : چہ بندی تو دل بر سرائے فسوس
کہ ہر آن ہمی آید آواز کوس

کبیر : کو یلا ہوئے نہ اوجر نو من صابن لائے

فارسی ضرب المثل : کہ زنگی بشتن نہ گردد سفید

گجرات کے شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م 1565) اور نظامی بیدری کی دکن کی پہلی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں بھی ترجمے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے!

گام دھانی : جے تم لیلیٰ جو یا لوڑو مجھ مجنوں کی نینوں دیکھو

سعدی (فارسی) : لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید

گام دھانی : کان کرو یہ پرم کہانی

محاورہ (فارسی) : گوش کن کا ترجمہ کان کرو ہے

نظامی بیدری : نہ سنیا الو لک کہ اس ورتمان۔ سکھی آپنا جیو تو سب جہان

فارسی ضرب المثل : جان خوش (تو) جہان خوش

نظامی بیدری : پنکھیر وواوڑے دیکھ کر اپنا ونس۔ چڑی مل چڑی (اور مل) ہنس ہنس

فارسی شعر : کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز بہ باز

نظامی بیدری : نکل جانو سر ہانڈی منج تنگ نہ۔ جہاں جانو سنسا تو تنگ نہ

فارسی ضرب المثل : خلق خدا تنگ نیست۔ پائے مرا لنگ نیست

امیر خسرو نے (تیرہویں' چودھویں صدی میں) عربی لغت کے نمونے پر درس و تدریس کے لیے' خالق باری'' کے عنوان سے ایک لغت تیار کی' جس میں فارسی' عربی اور ترکی کے مستعمل الفاظ کے اردو مترادفات دیے گئے ہیں۔ خسرو کی یہ لغت بھی ایک قسم کا ترجمہ ہے۔'' خالق باری'' کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔ خالق باری' سرجن ہار ۔ واحد ایک' بڑا کرتار

انہی بنیادوں پر ماہرین کا خیال ہے کہ شمالی ہند میں غزنوی کے عہد سے مغلوں کے زمانے تک سرکاری ضرورتوں کے تحت اردو زبان میں ترجمے کا کام لازمی طور پر ہوتا رہا ہوگا جن کے نمونے آج دستیاب نہیں ہیں۔

اردو ادب کے ابتدائی عہد میں مذہب' تصوف' شاعری' داستانیں' ہیئت' فلسفے وغیرہ سے متعلق کتابوں کے ترجمے' عربی' فارسی اور سنسکرت زبانوں سے ہوئے۔ مذہبی ضرورتوں کے تحت اردو میں سب سے زیادہ ترجمے عربی زبان سے ہوئے لیکن ادب عالیہ کے ترجمے فارسی' انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں سے ہوئے۔

8.2.2 ادبی ترجمے کی تعریف

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU
IMC LIBRARY
* Hyderabad-34. *

ادبی ترجمہ ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان میں پوری ادبیت اور اثر آفرینی کے ساتھ منتقل کرنے کا عمل ہے۔ جس کے وسیلے سے ایک تہذیب و ثقافت دوسری تہذیب و ثقافت سے اخذ و استفادہ کر کے ذہنی اور وجدانی نشو و نما کے مواقع حاصل کرتی ہے۔ علمی ترجمے اور ادبی ترجمے میں سب سے بڑا

فرق یہی ہوتا ہے کہ علمی ترجمے میں سارا زور تصور وخیال کی ترسیل پر ہوتا ہے اس میں اسلوب بیان پر زیادہ توجہ نہیں ہوتی جب کہ ادبی ترجمے میں سارا زور تہذیبی سانچے اور تہذیبی فضا کی منتقلی پر ہوتا ہے۔ یہاں خیال کے ساتھ اسلوب بھی اہم ہے یعنی ترجمہ شدہ متن میں ادبی اثر آفرینی کا ہونا ضروری ہے۔

8.2.3 اردو میں ادبی ترجمے کا آغاز اور روایت

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اردو زبان اور ادب کی تاریخ کا نقطۂ آغاز ایک ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زبان تک رسائی کا واحد ذریعہ قدیم ادب ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی زبان کے اولین ادبی نمونے شعر کی صورت میں ہوتے ہیں اس لحاظ سے یہ واضح ہے کہ اردو میں ادبی ترجموں کا کام اردو کی ابتدا ہی سے شروع ہو جاتا ہے جس کے بارے میں پچھلے صفحوں میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ ابتدائی عمر کے تمام ترجمے جزوی حیثیت کے ہیں یعنی کسی مصنف کی مکمل تصنیف کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

8.2.3.1 شعری تراجم کی روایت

اردو ادب میں باقاعدہ شعری ترجمے کا آغاز گولکنڈہ کے فرمان روا محمد قلی قطب شاہ کے عہد (1580-1611) اور اس کی شاعری سے ہوتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں دکنی ادیبوں اور شعرا کا فارسی کی طرف زیادہ رجحان تھا جس کے نتیجے میں اس عہد میں ترجمے پر بھی باقاعدہ توجہ دی گئی۔ جمیل جالبی کے مطابق قلی قطب شاہ نے حافظؔ کی غزلیں کی غزلیں اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ قطبؔ شاہ نے حافظؔ کے علاوہ دیگر فارسی شعرا کے جستہ جستہ اشعار کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ اسی عہد میں شیخ احمد گجراتی نے مولانا جامیؔ اور امیر خسروؔ کی فارسی مثنویوں ''یوسف زلیخا'' کا ترجمہ اسی عنوان سے مثنوی کی صورت میں کیا۔ جمیل جالبی کے مطابق اس مثنوی کا سنِ تصنیف 1580ء سے 1588ء کے درمیان ہے۔ احمد گجراتی کی مثنوی یوسف زلیخا کا ڈھانچہ اور پلاٹ جامیؔ اور خسروؔ کی مثنویوں کے مطابق ہے۔ جس میں دونوں مثنویوں کے بہت سے اشعار کا لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ احمد گجراتی کی دوسری مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' بھی فارسی مثنوی سے ماخوذ ہے۔ اور ترجمے کے ذیل میں آتی ہے۔ 1631ء میں غواصیؔ نے ''ہتوپدیش'' کے بخشیؔ کے فارسی ترجمے ''طوطی نامے'' کا اسی عنوان سے اردو میں ترجمہ کیا۔ 1635ء میں قطبؔ زاری نے راجو قتالؔ کی فارسی تصنیف تحفۃ النصائح کا منظوم ترجمہ کیا۔ 1640ء میں بیجاپور کے سلطان محمد عادل شاہ کی فرمائش پر ملکؔ خوشنود نے فارسی مثنوی ''یوسف زلیخا'' (جواب ناپید ہے) اور امیر خسروؔ کی مثنوی ''ہشت بہشت'' کا ترجمہ ''جنت سنگھار'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس مثنوی کے ابتدائی حصے بیت بہ بیت ترجمہ ہیں بعد میں مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا گیا ہے یعنی آزاد ترجمہ۔ کچھ اشعار کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں استعاروں اور تلمیحوں کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

ہشت بہشت۔ امیر خسروؔ	جنت سنگھار
سخن آں بہ کہ بعد حمد خدائی	کہاں ہوں حمد اول میں خدا کا
بود از نعت خواجہ دو سرائی	کہاں ہوں نعت بعد از مصطفیٰ کا

1640ء میں ہی کمال خاں رستمی نے عادل شاہ کی فرمائش پر ابن حسامؔ کی طویل مثنوی ''خاورنامے'' کا اسی عنوان سے ترجمہ کیا۔ فن ترجمہ کے لحاظ سے ''خاورنامہ'' ''جنت سنگھار'' سے بہتر مثنوی ہے۔

''خاورنامہ'' اردو کی سب سے طویل مثنوی ہے جو 24 ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی بڑی حد تک اصل کے مطابق ہے۔ کہیں کہیں مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ایک دو اشعار بڑھا دیے گئے ہیں اور کچھ اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں۔ داستان کی ترتیب، قصے کا تسلسل اور اکثر قافیے بھی اصل کے مطابق ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مثنوی اردو کے شعری تراجم میں بہت اہم ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔

خاورنامہ (فارسی)	خاورنامہ (اردو
نہد برسر کوہ زریں کمر	رکھے کوہ زریں کمر کے اوپر
گہے چتر مشکیں گہے تاج زر	کدھیں تاج مشکیں کدھیں تاج زر

اسی دور میں امینؔ نے ''بہرام وحسن بانو'' کے عنوان سے اپنی ہی فارسی مثنوی کا اردو میں ترجمہ شروع کیا۔ جسے ان کی وفات کے بعد دولت شاہؔ نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ''بہرام وحسن بانو'' اردو میں مصنفی ترجمے کی پہلی مثال ہے۔ مثال ملاحظہ کیجیے۔

بہرام وحسن بانو (فارسی) امینؔ	بہرام وحسن بانو (اردو) امینؔ
نشست آں دیو پیش شاہ و مے را	کیا شاہ اور دیو نیں مے کشی
بخور و گوش کرد آواز نے را	ہوئے آپ میں آپ دونوں خوشی

اس مثنوی میں بیت بہ بیت ترجمہ نہیں ہے بلکہ کہیں کہیں ایک بیت کا ترجمہ دو بیتوں میں کیا گیا ہے۔ ان تراجم کے علاوہ دکن کے چند اہم شعری تراجم مندرجہ ذیل ہیں:

پھول بن (1655ء۔ابن نشاطیؔ	ترجمہ۔فارسی مثنوی بساتین الانس۔محمد صدر ملا حسن دبیر تاج
گلشن عشق (1675ء)۔نصرتیؔ	ترجمہ۔ہندی۔منوہر مدھومالتی۔شیخ منجھن
بہرام وگل اندام (1670ء)۔طبعیؔ	ترجمہ۔فارسی مثنوی ہفت پیکر۔نظامیؔ
وجودیہ (1675ء) شاہ امین الدین اعلیٰ	اس کتاب میں مصنف نے جو کچھ فارسی نثر میں لکھا ہے اسی کو اردو میں نظم کیا ہے۔
انوار سہیلی (1824ء) محمد ابراہیم	ترجمہ۔فارسی تصنیف ملا حسین واعظ کاشفی

دکن میں تیرھویں صدی عیسوی میں خود مختار حکومتوں کے قیام سے سترھویں صدی عیسوی تک فارسی زبان وادب کے تراجم کا دور دورہ رہا خصوصاً قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں نے شعری تراجم پر خصوصی توجہ دی، جس کی وجہ سے ہندوستان میں ایک نئی تہذیب ''ہند ایرانی تہذیب'' وجود میں آئی اور اردو زبان نئے اسالیب، محاورہ، تشبیہات واستعارات اور مضامین وخیال سے مالا مال ہوگئی۔ اس میں جاذبیت وکشش پیدا ہوگئی۔ اردو کی اسی خصوصیت نے شمالی ہند کے فارسی گو شعرا کو متاثر کیا اور اٹھارہویں صدی عیسوی تک ترجمے کی مستحکم روایت کی وجہ سے اردو شعر وادب کا وافر کلاسیکل ذخیرہ تیار ہوگیا۔ شمالی ہند میں دکن کے برعکس مثنوی سے زیادہ غزل اور قصیدے پر توجہ دی گئی۔ اس لیے یہاں فارسی زبان سے زیادہ تر شعری ترجمے غزل کے جستہ جستہ اشعار کی صورت میں ہوئے، جن کو طبع زاد تخلیق کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے شعرا کو بغیر اصل کے حوالے کے ترجمہ شدہ اشعار کو اپنے کلام کا حصہ بنانے میں کوئی عار نہ تھی۔ شمالی ہند میں یہ صورت حال عہد غالب (انیسویں صدی) تک رہتی ہے۔ کلاسیکی شعریات میں ترجمے کو ایک صنعت قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس عہد میں ترجمے اور تخلیق میں کوئی فرق نہیں تھا۔ غزلیہ اشعار کے ترجمے کی کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

نظیریؔ	ولیؔ
نہ چناں گرفتہ ای جاں بہ میانِ جانِ شریں	ایسا بسا ہے آکر تیرا خیال جیو میں
کہ تواں نزاو جاں راز ہم امتیاز کردن	مشکل ہے جیوسوں کوں اب امتیاز کرنا
حافظؔ	سوداؔ
مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز	راز دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہرگز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست	ورنہ کیا چیز ہے یاں اپنی نظر سے باہر

IMC LIBRARY

امیر خسرو	میر
عام حکم شراب می خواہم	عام حکم شراب کرتا ہوں
محتسب را کباب می خواہم	محتسب کو کباب کرتا ہوں
آنند رام مخلص	یقین
ناخن تمام گشت معطر چوں برگ گل	کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کے بند
بند قبائے کیست کہ وامی کنیم ما	برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا
شوکت بخاری	غالب
جنوں مزا جم و نبود دماغ گل گشتم	محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
خیال بوئے گل افزوں کند زکام مرا	کہ موجِ بوئے گل ہے ناک میں آتا ہے دم

1857ء میں انگریزی حکومت کے قیام کے بعد اردو میں مغرب کے تخلیقی ادب کے تراجم کا آغاز ہوا۔ 1864ء میں فتق میرٹھی کا منتخب انگریزی نظموں کا منظوم ترجمہ ''جواہر منظوم'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ 1869ء میں بانکے بہاری لال نے ''منتخب انگریزی نظموں کے منظوم تراجم'' کے عنوان سے دوسرا مجموعہ شائع کیا۔ جس کے بعد محمد حسین آزاد، حالی، اسمعیل میرٹھی، نظم طباطبائی، عبدالحلیم شرر، سرور جہاں آبادی، ظفر علی خاں، اقبال وغیرہ جیسے شعرا نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کیے۔ 1897ء میں نظم طباطبائی نے انگریزی کے مشہور شاعر تھامس گرے کی نظم کا ''گورغریباں'' کے عنوان سے (An Elegy Written in a Country Churchyard) کا کامیاب منظوم ترجمہ کیا، جس کی مقبولیت کے بعد انہوں نے کئی دوسری نظموں کے ترجمے کیے۔ اقبال نے ٹینی سن، لانگ فیلو اور ولیم کاوپر کی انگریزی نظموں کے منظوم تراجم ''پیام صبح''۔ ''عشق اور موت''۔ ''رخصت اے بزم جہاں'' کے عنوان سے کیے۔ عبدالحلیم شرر نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے کو ایک تحریک کی حیثیت بخشتے ہوئے، خود بھی اچھے ترجمے کیے اور دوسرے شعرا کو بھی اس طرف راغب کیا۔ جس میں حسرت موہانی، عزیز لکھنوی اور محمود شیرانی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ انگریزی سے چند ابتدائی منظوم تراجم مندرجہ ذیل ہیں :

محمد حسین آزاد	:	اندھی پھول والی کا گیت۔ لارڈ ٹلٹن، اُجڑا ہوا گھر، بہار کا آخری پھول، ٹامس مور
حسرت موہانی	:	موسم بہار کا آخری پھول۔ ٹامس مور
ظفر علی خاں	:	ندی کا راگ۔ ٹنی سن، وفا۔ ورڈس ورتھ
عزیز لکھنوی	:	مٹی کا جوان چاند۔ ٹامس مور
حافظ شیرانی	:	موت کا وقت

اردو میں باقاعدہ ایتھنولوجی انتخاب کا آغاز ضامن کنتوری کی کتاب ''ارمغانِ فرنگ'' سے ہوا، جو 1901ء میں شائع ہوئی۔ بیسویں صدی میں انگریزی کے ساتھ مغرب کی دوسری زبانوں کے شعر و ادب کے ترجمے پر بھی زیادہ توجہ دی گئی۔ میراجی نے ''مشرق و مغرب'' کے نغمے ترتیب دے کر جدید مغربی شاعری کی طرف اردو شعرا کو متوجہ کیا۔ بیسویں صدی میں معنی و خیال پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے بیشتر انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کی شاعری کا ترجمہ نثر میں کیا گیا۔ نظم کی اس قلبِ ماہیت کے باوجود شعری تاثر کافی حد تک قائم رہتا ہے۔

8.2.3.2 افسانوی ترجم کی روایت

اردو زبان میں تخلیقی نثر اور افسانوی ترجمے کا آغاز ملا وجہی کی ''سب رس'' سے ہوتا ہے، جو 1635ء میں گولکنڈہ کے فرماں روا قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ''سب رس''، محمد یحییٰ ابن سیک فتاحی نیشاپوری کی مثنوی ''دستور عشاق'' (1436ء) کے نثری خلاصے ''قصہ حسن و دل''

کا ترجمہ ہے۔ دستور عشاق اپنے عہد کی مشہور تصنیف ہے۔ جس کے منظوم اور منثور ترجمے کئی زبانوں میں ہوئے اور جس نے اپنے عہد کے ادیبوں اور شاعروں کو بے حد متاثر کیا۔ دستور عشاق کی مقبولیت کے پیش نظر فتاحی نے اس قصے کو مسجع و مقفیٰ نثر میں 1439ء میں دوبارہ ''شبستان خیال'' کے عنوان سے پیش کیا۔

سترھویں صدی اور اٹھارھویں صدی میں داستان امیر حمزہ دکنی' ترجمہ ''طوطی نامہ''۔ ابوالفضل' ترجمہ ''طوطی نامہ''۔ ملا قادری (1729ء) اور ترجمہ ''سنگھاسن بتیسی'' منظر عام پر آئے۔ انیسویں صدی میں دکنی ''انوار سہیلی'' یا دکن انجم۔ مترجم میاں محمد ابراہیم بیجاپوری (1822ء) ''قصہ کام روپ و کام لتا'' مترجم سید حسین علی خاں وغیرہ داستانوں کے تراجم ہوئے۔

شمالی ہند میں اردو کی پہلی نثری تصنیف اور ترجمہ فضلی کی ''دہ مجلس'' یا ''کربل کتھا'' ہے۔ جو ملا واعظ حسین کاشفی کی روضتہ الشہداء کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کے بعد شمالی ہند میں پہلا اول ترجمہ ''نوطرزِ مرصع'' ہے' جسے 1775ء میں عطا حسین خاں تحسین نے محمد علی معصوم کے فارسی قصے ''چہار درویش'' سے ترجمہ کیا۔ تحسین نے اس ترجمے کو با محاورہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے' اس کے باوجود ترجمے میں تخلیقی عنصر پیدا نہیں ہو سکا۔ نوطرزِ مرصع' میں زیادہ تر فارسی عربی تراکیب اصل متن سے بعینہٖ لے لی گئی ہیں۔

اٹھارھویں صدی کے نصف سے اردو میں فارسی' عربی زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان سے بھی ترجمہ ہونے لگا تھا' لیکن یہ ترجمہ مذہبی نوعیت کا تھا 1794ء میں مہر چند کھتری مہر نے مشہور فارسی قصے ''سمن رُخ و آذر شاہ'' کا ترجمہ ''نو آئین ہند'' یا ''قصہ ملک محمد و گیتی افروز'' کے نام سے کیا۔ اس ترجمے کا مقصد انگریزوں کو اردو زبان سکھانا تھا اس لیے اس کی زبان آسان اور سادہ ہے' جس میں اردو شعرا کے اشعار بھی دیے گئے ہیں۔

اردو میں منصوبہ بند ترجمے کا آغاز کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے قیام سے ہوا۔ جس کا مقصد ہندوستان میں تعینات انگریزوں کو اردو زبان سکھانا تھا۔ اس کالج کے تحت عربی' فارسی' سنسکرت اور دیسی زبانوں سے تقریباً ساٹھ کتابوں کے ترجمے اردو میں ہوئے' جن میں زیادہ تر کتابیں ادبی تھیں۔ کالج کے ان ترجموں نے اردو نثر کو نئے اسلوب اور نئی جہت بخشی۔ چوں کہ کالج کے اکثر ترجموں میں آزاد ترجمے کے اصول برتے گئے اس لیے یہ ترجمے قبل کے تراجم کے مقابلے میں بہتر ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کا سب سے اہم ادبی ترجمہ ''باغ و بہار'' ہے' جسے 1802ء میں میر امّن نے فارسی قصے ''چہار درویش'' کے ترجمے کے طور پر پیش کیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے' روانی' سادگی اور پرکاری اس ترجمے کی اہم خصوصیات ہیں۔ میر امّن نے 1802ء میں فارسی کی کتاب اخلاق محسنی ''گنج خوبی'' کے نام سے ترجمہ بھی کیا لیکن یہ ترجمہ باغ و بہار کے مقابلے میں پست ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ ہونے والی چند اہم داستانیں و کتب مندرجہ ذیل ہیں :

توتا کہانی (1801ء)	حیدر بخش حیدری	ترجمہ۔ فارسی طوطی نامہ۔ سید محمد قادری
آرائش محفل (1805ء)	حیدر بخش حیدری	ترجمہ۔ فارسی زبان سے
قصہ لیلیٰ مجنوں (1801ء)	حیدر بخش حیدری	ترجمہ۔ فارسی زبان سے
بیتال پچیسی	مظہر علی ولا و للولال	ترجمہ۔ برج بھاشا سے۔ بیتال پنچ ویشا تکا
قصہ مادھونل و کام کندلا	للولال' مظہر علی ولا	ترجمہ۔ برج بھاشا سے
شکنتلا۔ (کالی داس) 1801ء	کاظم علی جوان	ترجمہ۔ برج بھاشا سے
داستان امیر حمزہ (1801ء)	خلیل خاں اشک	ترجمہ۔ کسی فارسی نسخے سے
اخلاق ہندی	بہادر علی حسینی	ترجمہ۔ فارسی کی ہتوپدیش کا
مذہبِ عشق	نہال چند لاہوری	ترجمہ۔ فارسی قصہ گل و بکاولی کا
خرد افروز	حفیظ الدین	ترجمہ۔ کلیلہ و دمنہ پر مبنی عیار دانش کا

باغ اردو	شیر علی افسوس	ترجمہ۔فارسی گلستان۔شیخ سعدی
باغ سخن	مرزا مغل	ترجمہ۔فارسی بوستان۔شیخ سعدی

فورٹ ولیم کالج کے باہر ترجمہ ہونے والی داستانوں میں رجب علی بیگ سرور کی داستان ''شگوفۂ محبت'' ہے، جسے سرور نے 1856ء میں منشی شیو نرائن کی فرمائش پر کسی عربی نسخے سے ترجمہ کیا تھا۔ہیم چند کھتری نے داستان ''گل صنوبر'' کا 1836ء میں ترجمہ کیا۔انیسویں صدی کے نصف آخر میں داستانوں کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔اس دور میں ''بوستان خیال'' اور ''داستان امیر حمزہ'' کے متعدد تراجم منظر عام پر آئے۔ان مترجمین میں مرزا محمد حسن عسکری عرف چھوٹے آغا، مرزا محسن علی خاں عرف آغا بجو، پیارے مرزا، منشی تصدق حسین، احمد حسین قمر، محمد حسین جاہ، لالہ انبا پرشاد رسا لکھنوی اور غلام رضا رضا اہم ہیں۔

دہلی کالج (1842ء)، سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی (1862ء)، شمس الامرا دارالترجمہ حیدرآباد (1843ء) انجمن ترقی اردو ئے ہند (1903ء)، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (1913ء)، عثمانیہ دارالترجمہ (1917ء) وغیرہ ترجمے سے متعلق اداروں میں زیادہ توجہ علمی اور سائنسی موضوعات کے ترجموں پر دی گئی۔اس لیے ان اداروں کے تحت ادبی تراجم بہت کم منظر عام پر آئے۔اردو میں انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں سے علوم کے ترجمے کا آغاز 1843ء میں شمس الامرا کے دارالترجمہ سے ہوتا ہے۔لیکن مغربی نثری ادب کے ترجموں کی ابتدا انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں ہوتی ہے۔اس دور میں انگریزی کے مختصر افسانوں، ناولوں، انشائیوں، ڈراموں اور سفرناموں وغیرہ کو سرعت کے ساتھ اردو میں منتقل کیا گیا، جس کے نتیجے میں ہندوستان کی آزادی سے قبل اردو زبان میں مغربی ادب کا ایک وافر ذخیرہ ہوگیا اور سینکڑوں مترجمین پیدا ہوگئے۔ان ابتدائی مترجمین میں مولانا محمد حسین آزاد، سر عبدالقادر، آغا حشر کاشمیری، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتحپوری، قاضی عبدالغفار، مرزا ہادی رسوا وغیرہ کے علاوہ اور اہم نام بھی ہیں۔بیسویں صدی میں 1930ء کے بعد اردو میں انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں کے ادب پر بھی توجہ دی گئی اور بہت سے ناولوں، افسانوں وغیرہ کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔عنایت اللہ دہلوی، عبدالرحمٰن بجنوری، سجاد ظہیر، مجنوں گورکھپوری، عابد حسین، منٹو، پروفیسر مجیب، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین وغیرہ مترجمین نے ترجمے کی روایت کو مستحکم کیا۔مغربی ادبی تراجم کی روایت کو استحکام بخشنے کے لیے 1927ء میں ہندوستانی اکیڈمی اور اردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ہندوستانی اکیڈمی کے تحت جرمن ڈرامہ نگار ینگ اور انگریزی ڈرامہ نگار گالزوردی کی تخلیقات کا ترجمہ کیا گیا، جب کہ اردو اکیڈمی نے علمی کتابوں کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے ناولوں اور افسانوں کے تراجم پر بھی زور دیا۔مغربی ادب کے ان تراجم کے نتیجے میں ہی آج اردو ادب میں داستان کو چھوڑ کر ساری نثری اصناف انگریزی سے مستعار ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ:

1. ادبی ترجمے کی تعریف بیان کیجیے۔
2. اردو میں شعری و افسانوی ترجمے کا آغاز کب ہوا؟

8.3 ادبی تراجم کی اہمیت وافادیت

ادب انسان و کائنات کے درمیان رشتوں کا محسوساتی اور اکتشافی اظہار اور انسانی جبلتوں و خواہشوں اور ان کے وجدان کا مظہر ہوتا ہے۔ادب ایک طرف حظ اور سکون کا باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف عقل و فکر کو مہمیز کرنے کا آلہ ہوتا ہے۔اس اعتبار سے ایک متمول ثقافت کے معنی ہیں دوسرے علوم و فنون کے ساتھ اعلیٰ ادبی شاہ کاروں کا موجود ہونا۔ادب انسان کی ترقی اور اس کی حریت و آزادی کی علامت اور ضمانت ہوتا ہے۔اسی لیے انسان سب سے زیادہ ادبی شاہکاروں سے متاثر ہوتا ہے، نتیجتاً اس میں زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے کی صلاحیتیں جلا پاتی ہیں یعنی انسان کی بنیادی اور مخفی صلاحیتوں کو اظہار کا وسیلہ حاصل ہو جاتا ہے۔تہذیبیں فقط سیاسی و معاشی برتری یا خوش حالی کی بنیاد پر اعلیٰ و ادنیٰ نہیں ہوتیں بلکہ یہ معیارِ علم و فن اور ادب کے تناظر میں متعین ہوتی ہیں۔یہی وجہ تھی کہ یونان پر روم کے تسلط کے بعد بھی یونانی ادب و تہذیب رومیوں کے لیے متاثر کن اور باعث تقلید تھے بلکہ بعد کے تمام

ترقی یافتہ معاشروں نے یونانیوں سے فیض حاصل کیا۔ عالمی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو دنیا کی مختلف زبانوں میں ابتدا ہی سے اعلیٰ اور تخلیقی ادب پیدا ہوتا رہا ہے۔ اعلیٰ ادب کے لیے یہ لازمی شرط ہے کہ اس میں انسانی زندگی اور کائنات کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ ہو' اس میں زندگی اور اس کے مظاہر کی معنویت اور مقصدیت شامل ہو۔ اس لیے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا میں اعلیٰ ادب کے ابتدائی نمونے مذہبی اور الہامی کتابوں کی صورت میں ہوتے ہیں کسی تہذیب میں تصورِ انسان اور تصورِ کائنات بڑی حد تک ان الہامی کتب سے ہی قائم ہوتا ہے۔ یونانی ادب کے معمار ہومر کی تخلیقات ایلیڈ اور اوڈیسی جنہیں آج ہم کلاسک کا درجہ دیتے ہیں' افلاطون کے عہد تک ان کی قدر و قیمت مذہبی صحیفے سے کم نہیں تھی۔ اس اعتبار سے ادبی ترجمے کی معنویت اور اہمیت وافادیت واضح اور نمایاں ہے۔ اس اہمیت وافادیت کی دو جہتیں ہوتی ہیں (1) معنوی یعنی خیال و تصور کی سطح پر (2) لفظی یعنی زبان اور اسلوب کی سطح پر:

1) معنوی جہت : اس جہت کے تحت ایک قوم دوسری قوم کے خیالات' نظریات' تخیلی نیرنگیوں اور جمالیاتی و اخلاقی قدروں سے استفادہ کرتی ہے یا باہم دگر دو قومیں سچائیوں اور صداقتوں کی توثیق کر کے یکجہتی و یگانگت کو مستحکم کرتی ہیں اور اپنے ذہن و وجدان میں وسعت پیدا کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے ادبی ترجمہ تہذیبی نشو و نما کا باعث ہوتا ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عرصے کے بعد ایک تہذیب کے سوتے خشک ہونے لگتے ہیں' جس کے نتیجے میں اس کے افراد علاحدگی اور تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ادبی ترجمہ اس مردہ جسم میں روح پھونکتا ہے جس کے وسیلے سے مختلف گروہوں کے درمیان انسانیت اور انسان دوستی کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اسی انسانیت اور انسان دوستی کی خصوصیات سے ادب کی آفاقی قدریں متعین ہوتی ہیں۔

2) لفظی جہت : اس جہت کے تحت ایک زبان دوسری زبان کے ادب سے وسعت و گہرائی اور فکری بلندی کی خصوصیات حاصل کرتی ہے اور ایک زبان دوسری زبان کی ذیلی ساخت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ نئے خیالات اور نئے احساسات کو بیان کرنے کے لیے زبان میں نئے اسلوب پیدا ہوتے ہیں' زبان میں نئے نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں یا پرانے الفاظ کے معنی میں وسعت پیدا ہوتی ہے یا انہیں ایک نئے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور نئے محاورے اور ضرب الامثال پیدا ہوتے ہیں یا ان سے آشنائی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں ایک زبان میں استحکام اور خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ ایک ترقی یافتہ زبان کے معنی یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے خیالات و تصورات کو بیان کرنے کی صلاحیت ہو۔ ادبی ترجمے کے وسیلے سے زبان کو ترقی حاصل ہوتی ہے۔ ادبی ترجموں کی اسی معنویت اور افادیت کے پیش نظر مغربی کلاسکیت پسند حضرات اعلیٰ ترجموں کو تخلیقی فن پاروں کے ہم پلہ قرار دیتے تھے۔ اردو میں بھی قلی قطب شاہ کے عہد سے لے کر غالب کے دور تک ترجمے کو ایک صنعتِ معنوی قرار دیا جاتا تھا اور بغیر ماخذ کے حوالے کے ترجمہ کو اپنی تخلیق کا حصہ بنا لیا جاتا تھا۔

اردو کے تناظر میں اگر ترجمے کی اہمیت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو کا ابتدائی ادب سولھویں صدی کے ربع اول تک جامہ ہندی روایت کے زیر اثر تھا۔ اس لیے اس میں وہ بلندی و توانائی نہیں پیدا ہوئی تھی' جو اعلیٰ ادب کے لیے ضروری ہوتی ہے' لیکن اسی زمانے میں جب فارسی سے اردو میں ادبی تراجم کا دور شروع ہوا تو اردو زبان و تہذیب نے ترقی و عروج کے مراحل طے کرنا شروع کر دیے۔ ان ادبی تراجم نے اردو زبان و ادب کی اس طرح کایا پلٹ دی کہ فارسی تہذیب اور پرایہ احساس نے ہندی روایت پر حاوی ہو کر اور اس سے آمیز ہو کر ایک نئی تہذیب ''ہند ایرانی تہذیب'' کو استقامت بخشی۔ بقول جمیل جالبی اگر فارسی روایت ہندوی روایت کو اس طور پر نہیں بدلتی تو اس براعظم کی قدیم تہذیب گل سڑ کر کبھی کی فنا ہو چکی ہوتی۔ یعنی یہ کہ اردو نے اپنی بقا کا انتظام بھی کیا اور ہندوستان کی قدیم تہذیب کو بھی نئی زندگی دی۔ ادبی ترجموں کے وسیلے ہی سے اردو زبان کی ساخت' اس کا پیرایۂ اظہار' اسلوب اور اس کی مستعمل قدیم و جدید اصناف پیدا ہوئیں۔ یعنی غزل' قصیدہ' مثنوی' رباعی' قطعہ' نظموں کی ہئتیں' عروض و بلاغت' داستان و حکایت فارسی ادب کے وسیلے سے اردو میں آئیں اور ناول' افسانہ' ڈرامہ' انشائیے' سفرنامے' آزاد نظم' نثری نظم' تنقید وغیرہ اصناف مغربی ادب کے وسیلے سے ظہور پذیر ہوئیں۔ معنوی جہت کے تحت تصورِ عشق' تصورِ کائنات' تلمیحات' علامات' غرض کہ اردو کی پوری شعریات فارسی اور بعد میں مغربی زبانوں کے ادب کی مرہون منت ہے۔ ادبی تراجم کی بدولت ہی اٹھارھویں صدی کے آخر تک اردو زبان و ادب اس قدر متمول اور مستحکم ہو چکا تھا کہ بقول مصحفی ریختہ ہمارے زمانے میں فارسی کے اعلیٰ مرتبے کو پہنچ چکا ہے بلکہ اس سے بہتر ہو گیا ہے۔ یعنی انیسویں صدی کے آخر تک اردو کا کلاسیکل ادب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا

تھا۔جس کے نتیجے میں اس کا زوال آمادہ ہونا منطقی تھا۔اس لیے انیسویں صدی کے آخر میں مغربی زبان وادب سے رجوع کرنا ناگزیر تھا جس کے باوصف اردو میں انگریزی زبان وادب کے ترجمے کا کام شروع ہوا۔اور اردو زبان وادب نے اپنی نشوونما کے ایک بار پھر سامان فراہم کیے۔

اپنی معلومات کی جانچ :

1. معنوی جہت سے ادبی ترجمے کی کیا اہمیت ہے؟
2. لفظی جہت سے اردو میں ادبی ترجمے کی اہمیت بیان کیجیے۔

8.4 ادبی ترجمے کے مسائل

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ادبی ترجمہ ایک تہذیب اور اس کے جمالیاتی عناصر کو دوسری تہذیب میں یکساں اثر آفرینی کے ساتھ منتقل کرنے کا عمل ہے۔اس لحاظ سے علمی ترجموں کے مقابلے میں ادبی ترجمہ سب سے زیادہ مشکل عمل ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ ترجمہ شدہ متن میں یکساں آفرینی پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہے یعنی ترجمہ شدہ متن بھی اسی پائے کا ادب ہو۔مترجم کی یہ ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ ترجمے کو اصل کے متبادل کے طور پر پیش کرے۔ ظاہر ہے اس کشمکش کی صورت حال سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں' جن میں سے بعض مسائل ناقابل حل ہوتے ہیں۔کسی ادبی ترجمے کے پانچ مدارج ہوتے ہیں۔ (1) ادبی متن کا انتخاب (2) متن کی کلی تفہیم (3) متن سے ہم آہنگی (4) ترسیل وابلاغ (5) ترجمہ شدہ متن کا ادب پارہ ہونا۔ ترجمے کے ان پانچوں مدارج کے جداگانہ مسائل ہوتے ہیں۔آیئے ان مسائل پر غور کرتے ہیں۔

1) ادبی متن کا انتخاب:

اس مرحلے میں مترجم اپنی لیاقت' ذہانت اور ادبی ذوق وشوق کے اعتبار سے ادبی متن کو ترجمے کے لیے منتخب کرتا ہے۔اس انتخاب میں مترجم متن سے پوری وفاداری نبھانے کے لیے پابند ہو جاتا ہے۔اس لیے مترجم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ متن کی اصل زبان' اس کا عہد' اس وقت کی تہذیب وثقافت اور سماجی و جمالیاتی قدروں کے ساتھ سیاسی وسماجی حالات سے بھی پوری طرح واقف ہو۔ادبی ترجمے کے لیے دو زبانوں کا جاننا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے دو تہذیبوں سے واقفیت ضروری ہے۔اس کے ساتھ ہی متن کی قدر و قیمت' اس کے ترجمے کی ضرورت اور اہمیت و افادیت کا تعین بھی مترجم کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تہذیب دوسری تہذیب سے وہی چیزیں اخذ کرنا چاہتی ہے۔جو اس کی نشوونما میں معاون ہوں۔اس کے لیے ہر ادب پارہ اہم نہیں ہوتا۔اس ذیل میں مترجم کو اپنے عہد کی سیاسی وسماجی صورت حال' نظریات و میلانات' اس عہد کے ادبی ذوق ومزاج اور ذرائع ترسیل وابلاغ کے رویوں کو ذہن میں رکھنا ہوتا ہے۔قدیم اردو ادب میں زیادہ تر صوفیانہ نظریات واقدار کو فروغ دینے والے شعری وافسانوی فن پاروں کے ترجمے کیے گئے۔بقول شبلی صوفیانہ خیالات واقدار سے استفادے کی بدولت ہی' فارسی شعروادب دنیا کے اعلیٰ ادبوں میں شامل ہے۔جب کہ اس عہد میں نظامی اور دوسرے شعرا کے قصائد وہجویات کے نمونے بھی تھے۔ اسی طرح سرسید تحریک کے دوران مغرب سے حقیقت پسندانہ ادب اور دور الیزابیتھ کے ادب کے تراجم ہوئے اور بقیہ بلند پایہ تخلیقات سے صرف نظر کیا گیا' جس کا ترجمہ بعد کے زمانے میں ہوا۔ان تمام مثالوں کا مقصد یہ ہے کہ ادبی ترجمہ دراصل لکھنے اور پڑھنے والوں کے لیے باعث تربیت ہوتا ہے۔جس زمانے میں جیسا ادب تخلیق ہوتا ہے' اسی طرح کے فن پارے بھی ترجمے ہوتے ہیں۔اس لیے انتخاب متن ایک مسئلہ ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام معیارات کو برقرار رکھنا مشکل ترین امر ہے۔

2) متن کی کلی تفہیم

اس مرحلے میں انفرادی متن کا مطالعہ اور اس کی کلی تفہیم وابلاغ کا عمل ہوتا ہے۔اس مرحلے میں مترجم فن پارے کی تہذیب' زبان و بیان' مصنف

کے بارے میں آگہی' اس کی فکر' جذبے' نقطۂ نظر' لہجے اور اسلوب کی پوری طرح تفہیم کرتا ہے۔ اس مرحلے میں مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض فن پارے کلی طور پر اور بعض جزوی طور پر ایسے ہوتے ہیں' جن میں ایک سے زیادہ لہجے (Tones) ہوتے ہیں اور ہر لہجے سے متن کے مختلف معنی برآمد ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض فن پاروں میں ایسا وجدانی تجربہ بیان ہوتا ہے' جس کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے' لیکن اس کے اظہار سے اس کی معنویت ختم ہو جاتی ہے یا بعض فن پاروں میں اس قدر ابہام ہوتا ہے' جس کو اصل زبان میں ہی بیان کیا جا سکتا ہے یا اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مرحلے میں ذرا سی لغزش فن پارے کی پوری جہت کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ متن کی کلی تفہیم کی وجہ سے ہی ایک متن کے دو ترجموں میں بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جب کہ مترجم اپنے طور پر پوری طرح دیانت دار ہوتا ہے۔

3) متن سے ہم آہنگی

اس مرحلے میں مترجم متن کو اپنے ذہن و دل اور وجدان کا حصہ بناتا ہے یعنی تخیلی سطح پر متن کا تجربہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے یہ ہم آہنگی اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب فن پارہ مترجم کے ذوق و مزاج اور طبیعت کے میلان کے مطابق ہو گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مترجم کا ذوق و مزاج فن پارے پر حاوی ہو جائے' فن پارے کا مزاج ہر حال میں مقدم ہوتا ہے۔ مترجم کو ہر حیثیت سے فن پارے کے مزاج میں ڈھلنا ہوتا ہے۔ مترجم کی فن پارے سے یہ ہم آہنگی ہی تخلیقی ترجمے کی راہیں ہموار کرتی ہے۔ اسی ہم آہنگی کے وسیلے سے اصل معنی آفرینی اور اثر آفرینی کی ترجمے میں بازیافت ہوتی ہے۔ یہ ہم آہنگی ایک بڑا مسئلہ ہوتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام قابلیتوں اور مہارتوں کے باوجود مترجم کے لیے دوسری زبان اور تہذیب اکتسابی ہی ہوتی ہے اس لیے فلم کے ناظرین کی طرح تخیلی سطح پر وہ لاکھ خود کو فلم کا ہیرو تصور کرے لیکن وہ رہتا ناظر ہی ہے۔

4) ترسیل و ابلاغ

اس مرحلے میں مترجم' فن پارے کے معنی و مفہوم' اس کے وجدانی و تخیلی تجربات اور اثر آفرینی کو قاری کو ذہن میں رکھتے ہوئے دوسری زبان میں منتقل کرتا ہے۔ یہ مرحلہ سب سے مشکل ہوتا ہے۔ خود سمجھنے اور تجربے سے گزرنے سے زیادہ دوسروں کو سمجھنا اور تجربے سے آشنا کرانا مشکل ہوتا ہے۔ ترسیل و ابلاغ کا یہ مسئلہ تخلیق سے زیادہ ترجمے میں پیچیدہ ہوتا ہے' جس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف الفاظ و خیال کے انتخاب میں آزاد ہوتا ہے' جب کہ مترجم مصنف کا پابند ہوتا ہے۔ ایسی دو زبانیں جو اپنی تہذیب اور مزاج کے لحاظ سے ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں' کسی حد تک اس مسئلے کو حل کر لیتی ہیں یعنی وہاں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ کوئی لفظ یا ترکیب ترجمے میں من و عن رکھ لی جائے جیسے فارسی' ہندی' عربی وغیرہ زبانوں سے اردو میں ترجمہ۔ لیکن وہ زبانیں جن کا مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے وہاں ترسیل و ابلاغ کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہوتا ہے جیسے انگریزی' فرانسیسی' روسی اور دیگر مغربی زبانوں سے اردو میں ترجمے۔ خصوصاً یہ مسئلہ شعری ترجمے میں ناقابل حل ہو جاتا ہے۔ انگریزی کی منظوم شاعری کو اردو میں نظم کے اسی اثر کے ساتھ پیش کرنا ناممکن ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا صوتی نظام اور عروض و آہنگ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ اسی لیے شیلی نے شاعری کے ترجمے کو شاعری کی موت کے مترادف قرار دیا تھا۔

5) ترجمہ شدہ متن کا ادب پارہ ہونا

یعنی کوئی فن پارہ ترجمہ ہو کر بھی فن پارہ ہے اور اسے اصلی فن پارے کے مقابلے میں رکھا جا سکے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فن پارے کا ترجمہ ترسیل کے نقطۂ نظر سے بھرپور ہوتا ہے لیکن اس کی اپنی ادبی حیثیت کوئی نہیں ہوتی۔ فقط اس ترجمے کو پڑھ کر اصلی فن پارے کی ادبی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ جس کی مثال قرآن کے لفظی تراجم ہیں۔ قرآن ایک مذہبی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ عربی ادب کا ایک بلند ترین نمونہ بھی ہے لیکن اس کے تراجم کو بعض اوقات بلند ترین تو کیا ادب کہنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے اس مرحلے میں مترجم کو فن پارے کے مرکزی خیال' جذبے اور تاثر کے ساتھ اس کے اسلوب و ہیئت کے مطابق ترجمے ہونے والی زبان کے ادبی مذاق کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اس ذیل میں مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ادبی مذاقوں سے دیانت داری برتنا انتہائی مشکل ہے جس کے نتیجے میں ترجمے میں ترجمے پن کا عنصر پیدا ہونا ناگزیر

ہوتا ہے۔ یہاں مترجم کی یہ فن کاری ہوتی ہے کہ وہ ترجمے پن کے عنصر کو اس طرح برتے کہ وہ قارئین کے لیے قابل قبول ہو۔

8.4.1 افسانوی ادب سے مختص تراجم کے مسائل

شاعری کے مقابلے میں افسانوی ادب' زبان کی تہذیبی فضا کو زیادہ وضاحت وصراحت کے ساتھ سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ اس لیے افسانوی ادب کے تراجم کے لیے دو زبانوں کی ثقافتی جزئیات سے واقفیت لازمی امر ہے۔ یہ واقفیت خود ایک مسئلہ ہوتی ہے۔ افسانوی ادب میں بیان ہونے والے مقامات' رسم ورواج' طرز معاشرت' مسائل' عقائد اور اسی قسم کے دوسرے امور جو فن پارے کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں اور جن کی رو سے فن پارے میں معنی پیدا ہوتے ہیں' ترجمے کے عمل میں ایک مسئلہ ہوتے ہیں۔ اس مسئلے کو کسی حد تک وضاحتی نوٹ سے حل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود متن کے بین السطور معنی یعنی وہ معنی جو الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیے گئے ہیں' ترجمے میں ان کی جھلک بہت مشکل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ الفاظ کی صورت اور آہنگ سے بننے والے پیکر' تجنیس جیسی رسم الخط اور تلفظ پر مبنی صنعتیں' رعایت لفظی' مناسب الفاظ' مرصع اور مسجع نثری نمونے' جامع ترجمے کے عمل میں شکست خوردہ ہوجاتے ہیں' جیسے اردو کی داستانیں اور انشائیے نہ صرف بیانیہ کی وجہ سے جاذب نظر ہیں بلکہ ان کا حسن صنعتوں کے بہترین استعمال میں بھی ہے۔ دیانت دارانہ ترجمے کی صورت میں اگر مترجم کسی طرح ان مسائل پر قابو پانے میں کامیاب بھی ہوجاتا ہے تو مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری زبان کی تہذیب میں ان امور کی قدر و قیمت کیا ہے۔ ممکن ہے دوسری تہذیب میں یہ امور ترسیل کی راہ میں مخل سمجھے جاتے ہوں۔ اس لیے بقول انتظار حسین افسانوی ادب کے ترجمے میں دو نثری روایتیں ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتی ہیں اس لیے ان روایتوں میں مفاہمت پیدا کرنا مترجم کی فن کاری کی دلیل ہوتا ہے۔

8.4.2 شعری تراجم سے مختص مسائل

نثر کا بنیادی اسلوب ترسیلی اور وضاحتی ہوتا ہے' جب کہ شاعری رمز وایما اور علامتی اسلوب کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شعر میں وزن' قافیہ وردیف کا بھی التزام ہوتا ہے۔ شعر کی یہی مجموعی ہیئت اس کی اثر آفرینی اور وجدانی تجربے کا باعث ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے شاعری کا ترجمہ انتہائی مشکل اور پیچیدہ عمل ہے۔ شاعری کے ترجمے کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ترجمے کے بعد بھی شاعری رہے۔ عجیب قسم کا نثری نمونہ نہ بن جائے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ نظم کا ترجمہ نظم میں ہی ہونا چاہیے۔ نثری ترجمے سے اس کا شعری لطف زائل ہوجاتا ہے۔ چوں کہ ہر زبان کا عروضی اور صوتی نظام جدا ہوتا ہے اور مختلف اثرات کا حامل ہوتا ہے اس لیے شعر کی اصلی کیفیت کا ترجمہ ناممکن ہے۔ دوسرا مسئلہ ترسیل وابلاغ کا ہے۔ شاعری چونکہ رمز وایما اور علامتی اسلوب کی حامل ہوتی ہے اور زندہ علامتیں اپنے اندر کئی معنوی جہت رکھتی ہیں۔ اس لیے علامتی لفظ کے بدلنے سے نظم کی پوری کائنات درہم برہم ہوجاتی ہے۔ شاعری کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ ایک متن کی مختلف قرأتوں سے مختلف معنی برآمد ہوں۔ شاعری میں معنی آفرینی کی خوبی زبان وبیان اور لفظیات کے مخصوص استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ رعایت لفظی' مناسب الفاظ' الفاظ کے صوتی پیکر' ان کی غنائیت سب کچھ مل کر شعری معنی کی تشکیل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے ترجمے کے عمل میں ان تمام امور کا ایک ساتھ منتقل ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ شاعری کے ترجمے میں صرف شاعرانہ خیال یا اس کا مضمون ہی ترجمہ ہو پاتا ہے۔ بقیہ فنی نزاکتیں زائل ہوجاتی ہیں۔ شعری ترجمے کے ان ہی مسائل کے پیش نظر شیلی نے شاعری کے ترجمے کو شاعری کی موت قرار دیا تھا۔ ایذرا پاونڈ نے ترجمے کے نقطہ نظر سے شاعری کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

1) فونوپوئیا Phonapoeia : ایسی شاعری جس کا ترجمہ کسی حد تک ممکن ہے۔ اردو میں جیسے مثنوی کی بیانیہ شاعری یا ترقی پسندانہ خطابیہ شاعری یا سادہ شاعری
2) میلوپوئیا Melopoeia : ایسی شاعری جس کا ترجمہ ناممکن ہے اردو میں جیسے علامتی نظمیں غزلیہ شاعری
3) لوگوپوئیا Logopoeia : ایسی شاعری جس کا ترجمہ ناممکن ہے لیکن اصل خیال کی جھلک ترجمے میں آسکتی ہے اردو میں جیسے فکری وفلسفیانہ اور خیال بندانہ شاعری

آخر میں انگریزی اور جرمنی نظموں کے کچھ منظوم ومنثور یعنی نثری ترجموں کو ملاحظہ کیجیے :

جرمنی ادب کے مایہ ناز ڈراما نگار اور شاعر گوئٹے کی شاہ کار تخلیق ''فاؤسٹ'' کا نثری ترجمہ عابد حسین نے کیا ہے اور اس کا منظوم ترجمہ منور لکھنوی نے۔ ان دونوں ترجموں کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔

	عابد حسین	منور لکھنوی
شاعر!	میرے سامنے اس رنگ برنگ مجمع کا نام	کیوں ذکر مجھ سے آخر اس بھیڑ بھاڑ کا ہے
	نہ ہو جسے دیکھ کر رفعتِ خیال رخصت	منظر یہ دیکھ کر دل الجھن میں پڑ گیا ہے
	ہو جاتی ہے مجھے اٹھتی ہوئی لہروں کا یہ	چڑھتی ہوئی ندی اک یہ بھیڑ واقعی ہے
	سیلاب نہ دکھاؤ جو ہمیں زبردستی	اک اک نفس میں کتنی وحشت بھری ہوئی ہے
	اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے	

ان دونوں اقتباسوں کے تقابل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عابد حسین کا ترجمہ بہت پُر شکوہ ہے اور منور لکھنوی کا ترجمہ سادہ اور بے روح ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اصل متن کا یہ اقتباس نہ تو اتنا سادہ ہے نہ ہی اتنا پر شکوہ۔

انگریزی زبان کے شاعر Frazer کی ایک نظم کے دو اردو منظوم ترجمے ملاحظہ کیجیے۔

	لوح مزار : حسین الدین احمد	لوح مزار : منظور الدین خاں	Epitaph
	ذرا اجنبی چلتے چلتے تو رک جا	راہرو ٹھہر ذرا سنتا جا	Stop, stranger stop
	تو جیسا ہے اب ایک میں بھی وہی تھا	تو اب جس حال میں ہے	As you pass by
	ہوں جیسا میں اب، کل ترا حال ہوگا	میں کبھی ایسا ہی تھا	So you are now
	تو نقش قدم پر مرے چل خدارا	کل تجھے میری طرح ہونا ہے	Once was I
		ایسا کچھ کر کے یہاں	So I am now, you
		سے تو چل	Once must be
		(کہ بہت یاد رہے)	Therefore? proper to follow me

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اردو ترجمے میں نظم کی ساری کیفیت، زائل ہوگئی، وہ سوز و گداز جو انگریزی نظم میں ہے اردو ترجمے میں نہیں ہے اس کے بعد وہ Therefore? کے بعد سوالیہ نشان سے شاعر نے جو مبہم معنویت پیدا کی ہے اردو نظموں نے اس کی وضاحت کر کے اس کو زائل کر دیا۔

8.5 خلاصہ

اردو زبان میں ترجمے کا آغاز اس کے ابتدا سے ہی ہو گیا تھا۔ اردو کے ابتدائی عہد میں الفاظ، محاوروں، ضرب الامثال، جستہ جستہ اشعار کا ترجمہ فارسی زبان سے ہوا۔ اردو میں باقاعدہ ادبی ترجمے کا آغاز قلی قطب شاہ کے عہد سے ہوتا ہے اس زمانے میں فارسی کی مثنویوں کو اردو میں مثنوی کی ہیئت میں ترجمہ کیا گیا۔ اردو ادب میں ترجمے کی مستحکم روایت کی وجہ سے ہی اردو میں بہت جلد اعلیٰ پائے کا ادب تخلیق ہونے لگا اور انیسویں صدی تک اردو کے کلاسیکی ادب نے اپنے نقطۂ عروج کو حاصل کر لیا۔ اس لحاظ سے ادبی ترجمے کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ ادبی ترجمہ ایک بہت مشکل فن ہے۔ اس کے لیے دو تہذیبوں سے واقفیت بہت ضروری ہے لیکن ترجمے کے بعض مسائل ایسے ہیں جو مترجم کی تمام صلاحیتوں کے بعد بھی نا قابل حل ہوتے ہیں۔ نثری ترجمے میں تہذیبی جزئیات مسائل کھڑا کرتی ہیں جب کہ شعری ترجمے میں اس کی مجموعی ہیئت، وزن قافیہ وغیرہ۔ اس لیے بعض صورتوں میں شعری ترجمہ ممکن ہوتا ہے۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * IMC LIBRARY * Hyderabad-34.

8.6 نمونۂ امتحانی سوالات

درج ذیل سوالوں کے جواب تیس تیس سطروں میں لکھیے۔

1. اردو میں ادبی ترجمے کی روایت پر اظہارِ خیال کیجیے۔
2. شعری تراجم کی روایت پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔
3. ادبی ترجمے کی اہمیت بیان کیجیے۔

درج ذیل سوالوں کے جواب پندرہ پندرہ سطروں میں لکھیے۔

1. شاعری کا مکمل ترجمہ کیوں ناممکن ہے؟ بیان کیجیے۔
2. افسانوی ادب سے مختص تراجم کے مسائل کون سے ہیں؟
3. ادبی تراجم کے مسائل بیان کیجیے۔

8.7 فرہنگ

آفاقی = ساری دنیا کا۔ عالم گیر — ابلاغ = پہونچانا، بھیجنا

استقامت = استقلال، کسی امر پر مضبوط رہنا — اسلوب = طریقہ، طرزِ تحریر، روش

اکتشاف = کسی نامعلوم بات کا دریافت کرنا — تعامل = آپس میں عمل کرنا

توثیق = تصدیق، مضبوط کرنا — پیکر = چہرہ، شکل، صورت

جمالیات = حسن شناسی، فلسفہ کی وہ شاخ جس میں حسن اور اس کے لوازم سے بحث کی جاتی ہے۔

بازیافت = کھوئی ہوئی چیز کی دستیابی، بازیابی — ترکیب = مرکب کرنا، بناوٹ، تدبیر

رمز وایما = اشارہ، غمزہ، عشوہ — لسانی گروہ = کسی زبان کو بولنے والا طبقہ

ہیئت = بناوٹ، شکل، حالت، وہ علم جس میں اجرام فلکی وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

مَنظَر = ظاہر ہونے کی جگہ، تماشا گاہ — غنائیت = موسیقیت، نغمے کی کیفیت

علامت = نشان، آثار، اشارہ — معنی آفرینی = معنی پیدا کرنا

مصنفی ترجمہ = جب مصنف خود اپنی کتاب کا ترجمہ کسی دوسرے زبان میں کرتا ہے تو اسے مصنفی ترجمہ کہتے ہیں

مُظہِر = بیان کرنے والا، گواہ

8.8 سفارش کردہ کتابیں

1. خلیق انجم — فن ترجمہ نگاری
2. ڈاکٹر قمر رئیس — ترجمے کا فن اور روایت
3. اعجاز راہی — اردو زبان میں ترجمے کے مسائل
4. Jordon, Albert : Translation and Interculture understanding
5. Naide, Eugene, A. Theories of Translation